لائبریری سائنس کا ارتقاء
اور
مسلمانوں کی خدمات

احمد خان

یہ مقالہ عالمی ادارہ یونیسکو کے ایماء پر اسلام آباد (قائد اعظم) یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف ایشین کلچرز کے زیر اہتمام قومی سیمینار برائے مطالعۂ تاریخ میں ۱۷ر دسمبر ۱۹۷۴ء کو پڑھا گیا۔

مسلمانوں نے نہ صرف کتابیں لکھیں بلکہ جمع کیں۔ انھیں مرتب انداز میں رکھا اور ان سے پوری طرح استفادہ کیا۔ ان تینوں مراحل کے لیے مختلف علوم و فنون پیدا ہوئے اور ان میں امتدادِ زمانہ کے ساتھ ترقی ہوتی رہی۔ یہ ایک فطری امر تھا کہ کتب خانے کے وجود میں آتے ہی اس سے متعلق امور کے بارے میں سمجھ بوجھ اور اس میں تھوڑی بہت ترقی کا تصور پیدا ہو گیا تھا۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ کتابوں کا نقل کرنا، ان پر مختلف قسم کے کام، جلد سازی اور وراقیت وغیرہ معزز پیشے اور اچھے ذرائع آمدنی متصور ہوتے تھے۔ یہ اندازِ فکر جس فن کے لیے پیدا ہو جائے اس کی ترقی ایک لابدی امر ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس فن کی جزئیات کو منظم شکل میں مدوّن کیا گیا۔ اور نہ وسیع پیمانے پر اس کی باقاعدہ تعلیم کی حاجت محسوس کی گئی۔ جو عالم کسی کتب خانے میں مامور ہوتا تھا وہ اس سے متعلق فنون کی اہلیت خود ہی پیدا کر لیتا تھا۔ عموماً اس بات کا خیال رکھا جاتا کہ قیم المکتبہ صاحبِ علم ہو اور اسے متداول علوم سے متعلق کتابوں کا علم ہو جیسے الظاہریہ اور المستنصریہ کے لائبریرین ان مدارس میں پڑھائے جانے والے علوم پر مکمل دسترس رکھتے تھے وہ ان مضامین کی تدریس کے علاوہ کتب خانے میں اساتذہ اور طلباء کی رہنمائی بھی کرتے تھے۔

کس قدر عجیب بات ہے کہ مسلمانوں نے یوں تو ہر میدان میں ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے مگر کتب خانوں کے بارے میں براہ راست کچھ نہیں لکھا۔ ان کے نظام کار، متعلقہ علوم اور کارکردگی کی دیگر تفصیلات کے بارے میں لکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا جو تقریباً بہت غیر مقبول لکھا ہے۔ وہ فنی نقطہ نظر سے صفر کے برابر ہے۔ اس طرف دھیان نہ دینے کی بظاہر تو کوئی مخالفت نظر نہیں آتی تاہم اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ زیادہ متداول علم اور عام معلومات کی چیزیں عموماً احاطۂ تحریر میں نہیں لائی جاتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کتب خانے کی تنظیم اور دیگر متعلقہ امور اس قدر سادہ اور عام فہم تھے کہ انہیں تحریر کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ چار سو اونٹوں پر لادی جانے والی کتابوں میں سے مطلوبہ کتاب کا فوراً نکال لینا فنون وار تقسیم اور پھر کتب کی مرتب شکل کے بعد ہی ممکن ہو سکتا ہے۔

(۲)

ان علوم کے بارے میں، جن کی بدولت مسلمانوں کی کارکردگی کا یہ عالم تھا، معلومات کا حصول کافی دشوار ہے۔ کیونکہ ان علوم و فنون کو مسلمانوں کی علم تقسیم علوم یا اصناف علوم کی کتابوں میں کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ متاخر دور (دسویں صدی ہجری) کی کتاب مفتاح السعادۃ جو مسلمانوں کے اصناف علوم میں کافی حد تک مکمل ہے، اس میں بھی فنون کتب خانہ سے کسی حد تک خالی نظر آتی ہے۔ ہاں البتہ کتب خانے کے بعض دور سے تعلق رکھنے والے امور کے بارے میں الگ الگ ابتدائی علوم کا ذکر ملتا ہے[1] جیسے

۱۔ علم املاء۔ الخط العربی (ج ۱ ص ۹۳)

۲۔ علم ترکیب اشکال بسائط الحروف (ج ۱ ص ۹۰)

۳۔ علم ادوات الخط (ج ۱ ص ۸۴ – ۸۷)

۴۔ علم خط المصحف (ج ۱ ص ۹۳)

۵۔ علم قوانین الکتابۃ (ج ۱ ص ۸۷)

۶۔ علم معرفۃ رسوم الخط و ادب کتابۃ (ج ۲ ص ۵۷۳)

۷۔ علم ترکیب المداد الملوّن (ج ۱ ص ۳۳۹)

---

[1] دیکھئے احمد بن مصطفیٰ طاش کبری زادہ، مفتاح السعادۃ فی موضوعات العلوم۔ تحقیق کامل کامل بکری و عبدالوہاب ابوالنور۔ القاہرۃ دارالکتب الحدیثہ ۱۹۶۸ء

۸۔ علم التصحیف (ج ۱ ص ۲۷۶ — ۲۷۸)

۹۔ علم تقاسیم العلوم (ج ۱ ص ۳۲۴)

اس کتاب اور دیگر اسلامی لٹریچر میں بکھری ہوئی معلومات علوم اور اشاروں کی مدد سے ہم مسلمانوں کے کتب خانوں سے متعلق مندرجہ ذیل امور کے بارے میں استقصاء کر سکتے ہیں اور انہی سے متعلق باتوں کو علوم کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔

۱۔ کتاب سازی (Book Production) سے متعلق امور، ان میں:

(الف) کاغذ سازی، قلم بنانا، اس کے مختلف انداز، دوات اور روشنائی کی کئی اقسام، تحریر کے لیے مختلف قسم کے خطوط، ان میں ارتقاء و ترقی وغیرہ۔

(ب) وراقیت، کتاب کے تحریر شدہ حصوں کو مرتب کرنا، اس پر مختلف کام، مثلاً تصویر سازی سونے کا کام، زر فشانی تنقیط و دیگر ایسے کام جن سے کتاب کو مزین کیا جاتا تھا۔

(ج) جلد سازی، اس کی مختلف اقسام، کس کتاب کے لیے کونسی جلد مناسب ہوگی۔ کس جگہ پر کس قسم کی جلد کارآمد رہے گی۔ جلد پر گلکاری و حروف وغیرہ کا لکھنا۔

۲۔ کتب خانوں کے لیے کتابوں کا حصول اور اس کے ذرائع۔ کتاب کا صحیح ترین شکل میں رکھنا۔ حتی الامکان کوشش کہ نسخے مصنف کے ہاتھوں کے تحریر کردہ ہوں۔

۳۔ کتب خانہ میں داخلہ کتب، قابل مطالعہ بنانے تک کے علوم جن میں تصنیف (Classification) کارڈ سازی، کتابوں پر عنوان اور فن کا لکھنا و دیگر تکمیلی کام۔

۴۔ کتب خانے کی عمارت اور اس میں استعمال ہونے والا سامان۔

۵۔ کتابوں کی حفاظت کے مختلف طریقے۔

۶۔ کتب خانے کے امدادی مختلف علوم جیسے کتابیات، اختصارات، اشاریے وغیرہ

۷۔ کتب خانے سے استفادہ کرنے والوں کی خدمات کیسی تھیں، قارئین کو کیا کیا سہولتیں میسر تھیں۔؟

۸۔ کتب خانے پر کئے جانے والے اخراجات کہاں سے پورے ہوتے تھے اور کس قدر ہوتے تھے۔

(۳)

یہ بات واضح ہے کہ سقوط بغداد (۶۵۶ھ) تک ان علوم و فنون میں کافی ترقی ہو چکی تھی۔ کیونکہ اس کے

آثار بعد کے ادوار میں بکثرت ملتے ہیں۔ ان معلومات کے سلسلے میں مختلف کتابوں کے علاوہ جن کا اس مقالے میں ذکر ہے ہمیں ساتویں صدی ہجری کے آخری حصے سے بدر الدین محمد بن ابراہیم بن سعد اللہ بن جماعۃ (۶۳۹ھ - ۷۳۳ھ) کی کتاب تذکرۃ السامع والمتکلم فی آداب العالم والمتعلم کے چوتھے باب میں کچھ مدد ملتی ہے۔ ابو العباس بن علی بن احمد القلقشندی (۷۵۹ھ - ۸۲۱ھ) کی صبح الاعشیٰ کی جلد ثانی اور باب ثانی[۲] دواۃ، قلم، کاغذ، خط اور اس کی مختلف اقسام اور ان سے متعلق باریکیوں سے بھرا پڑا ہے۔ اسی طرح اس کتاب کی تیسری جلد کا ابتدائی حصہ[۳] خط اور قلم کی اقسام سے متعلق ہے۔ کمال الدین ابو القاسم عمر بن احمد بن ہبۃ اللہ ابن العدیم نے ایک کتاب فی الخط وعلومہ میں تحریر کی تھی۔ علم الکتابت از ابوحیان التوحیدی (متوفی ۴۱۴ھ) میں اس فن کو ترقی دینے والے حضرات کے اقوال مفیدہ کو بیان کیا گیا ہے اسی طرح محمد بن عیسیٰ الیمنی (۵۰۱ھ - ۱۱۰۵م) کی کتاب القلم والدواۃ اس ضمن میں مسلمانوں کی خدمات، روشنائی کی مختلف اقسام اور ان کی تیاری سے پُر ہے۔ ایک مجہول مصنف کا چھوٹا سا رسالہ بعنوان رسالۂ خط "ہنر و مردم" میں چھپا ہے[۴]۔ اس میں خط کی اقسام اور مختلف رنگوں کے امتزاج سے انتیس قسموں کی روشنائی بنانے کی تراکیب بتائی گئی ہیں۔ ابو جعفر النحاس (متوفی ۳۳۸ھ) کی صناعۃ الکتاب، کتاب سازی میں ایک اچھی تحریر ہے مسلمانوں کی کتاب سازی پر مزید مواد بہت موجود ہے[۵]۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کتاب کی تیاری میں خط کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ خط کی اقسام، اس کے ماہرین کے مکاتب فکر اور مسلمانوں کی اس ضمن میں خدمات پر بہت کچھ تحریر ہو چکا ہے[۶]۔ یہ حقیقت ہے کہ خطاط کی ترقی کے ضمن میں جو کئی مکاتبِ فکر پیدا ہو گئے تھے۔ ان میں ابن مقلہ، ابن بواب، یاقوت المستعصمی مکاتبِ فکر کے علاوہ کئی اور مکاتب تھے۔ جن میں خطوط کی بے شمار اقسام کے علاوہ ان میں حسن و جمال کے کئی پہلو پیدا

۲۔ القلقشندی: صبح الاعشیٰ۔ ط القاہرہ، المطبعۃ الامیریۃ، ۱۹۱۳ء ج ۲ ص ۴۳۰ - ۴۷۲۔

۳۔ ایضاً: ج ۳، ص ۱ - ۲۲۲

۴۔ وزارتِ فرہنگ و ہنر، ایران کا علمی مجلہ، شمارہ نمبر ۸۵ (نومبر ۱۹۶۹ء) ص ۵۱ - ۵۷۔

۵۔ احمد خان: مسلمانوں کا فن کتاب داری وکتاب سازی۔ ماہنامہ الحق۔ جنوری ۱۹۷۳ء ص ۳۸ - ۴۲۔

۶۔ دیکھیے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مادہ خط، خوشنویسوں کے تذکرے۔

کر لیے گئے تھے۔

کتابوں پر سنہری کام، تصویر سازی اور کتاب کی تزئین سے متعلق دیگر فنون کے خاص خاص مکاتب فکر قائم ہو گئے تھے۔ کتاب پر تصویر سازی کے کام کو کمال کی حد تک پہنچایا گیا۔ اس میں ایک مکتب فکر کا عمدہ نمونہ قومی کتب خانہ پیرس میں محفوظ مقامات حریری میں بنائی گئی تصاویر میں دیکھا جا سکتا ہے اور مکاتب فکر میں اس قسم کی کوششیں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔[ء] بائسنغر مرزا جو کتابوں کے محب تھے، انھوں نے اپنے ہاں عمدہ خطاط، مصور سونے کا کام کرنے والے، حل کار اور زر فشاں رکھے ہوئے تھے اور ان کو انعامات گراں مایہ سے بہرہ اندوز کیا کرتا تھا۔ اس کے عہد میں فنِ تصویر سازی اور کتاب پر سونے کا کام کمال کی حد تک پہنچا ہوا تھا اور اس فن کا ایک مستقل مکتب تھا۔ جلد سازی کا فن ایران سے ہوتا ہوا عرب میں پہنچا۔ عرب سے شمالی افریقہ، وہاں سے اندلس اور پھر اس فن کو ایران ہی میں اوج کمال تک پہنچا دیا گیا۔ ان فنون کی ترقی کے بارے میں اطالوی مستشرق اولگا پنٹو OLGA PINTO ان نتائج پر پہنچی ہیں۔

Everything that relation to book had a great and stupendous development. They were copied embellishad and sumptuously found.. ......All that was aim and pre - occupation of Muslim Culture. (8)

کتاب کی تیاری، جلد بندی، اس کی اقسام اور اس سلسلے میں استعمال ہونے والے میٹریل کے ضمن میں ابو العباس احمد بن محمد السفیانی کی صناعۃ تسفیر الکتب وحل الذہب کے علاوہ المعز بن بادیس کی طرف منسوب کتاب عمدۃ الکتاب وعدّۃ ذوی الالباب عمدہ کتابیں متصور ہوتی ہیں۔ اس موخر الذکر میں باقی امور کے علاوہ تجلید اور اس میں استعمال ہونے والے آلات وغیرہ کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ کتاب سازی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ فکری انداز سے اسے کیسے مرتب کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ابن جماعۃ کی کتاب تذکرۃ السامع والمتکلم ہماری کافی رہنمائی کرتی ہے۔

کتابوں کے حصول اور انہیں کتب خانوں میں جمع کرنے کی خدمات کے ضمن میں مسلمانوں نے کافی کام کیا ہے ابتداء میں دائرہ کار صرف اپنے ہاں کی کتابیں حاصل کرنے تک محدود تھا۔ بعد میں گرد و نواح سے کتابیں اکٹھی کرنے

ء ایم۔ ایس ڈائمنڈ: مسلمانوں کے فنون۔ اردو ترجمہ۔ از ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ۔ ط لاہور: پنجابی ادبی اکیڈمی ۱۹۶۴ء، باب سوم۔

(8) Islamic Culture vol. III(1929) p. 212.

کا شعور پختہ ہوا جوں جوں معلومات اور ضرورت بڑھی پورے علاقے، پھر اپنے ملک یہاں تک کہ بیرونِ ملک سے بھی کتابیں حاصل کی گئیں، حصولِ کتب کے پیچھے جو علم اور طریق کار کارفرما تھا اس میں ارتقاء، کتب خانے کی کارکردگی میں بہتری کا سبب بنا۔ بغداد کا بیت الحکمت پہلے صرف اپنے ہاں کے لوگوں کو سموتے ہوئے تھا۔ پھر اجنبی زبانوں کے تراجم کا سلسلہ شروع ہوا تو کتب خانے میں غیر زبانوں کی کتابیں حاصل کرنے کا انتظام کیا گیا۔ المامون (حکومت ۱۹۸ھ — ۲۱۷ھ) نے ہند، یونان، روم اور دیگر ممالک کو اپنے علماء ارسال کئے جو وہاں سے علوم مفیدہ کی کتابیں اکٹھی کر لائے۔[۹] اس سرگرمی سے کتب خانے کے امور میں مزید ترقی ہوئی اور علم کتابداری کی ایک نئی شاخ پیدا ہوئی جو بیرونِ ملک سے حصولِ کتب کے ذریعہ اور طریقِ کار سے متعلق تھی۔ اس فن کو شاہِ اندلس الحکم ثانی (حکومت ۳۵۰ھ — ۳۶۵ھ) نے بہت اہمیت دی اور کمال تک پہنچا دیا تھا۔ چنانچہ شاہِ اندلس الحکم ثانی بہت سی رقم دے کر تاجروں کو کتابوں کے حصول کے لیے دساور بھیجا کرتے جو مشرقی ممالک کے بڑے بڑے شہروں میں نئی تصنیف شدہ کتابوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے۔ علاوہ بریں ان کے خاص نمائندے قاہرہ، بغداد، دمشق اور اسکندریہ میں مستقل طور پر کام کرتے۔ جو نئی کتابیں ان علاقوں میں لکھی جاتیں ان سے الحکم ثانی کو مطلع کرتے رہتے۔[۱۰] گویا یہ موجودہ عہد کے (Book procurrent Centres) کی ابتدائی شکل تھی۔

مسلمان اپنے کتب خانوں میں دیگر اقوام کی تالیفات انہی کی اصل زبانوں میں حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرتے تھے۔ بغداد کے بیت الحکمت سے اس کی ابتداء کی گئی۔ اس طرح کئی اور کتب خانوں میں اجنبی زبانوں کی کتابیں رکھنے کا عام رواج تھا۔ ابن العبری (متوفی ۶۸۵ھ) نے مراغہ کی رصدگاہ کے کتب خانے کو دیکھا تھا اس کی تفصیل لکھتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس میں دنیا کی معروف زبانوں، مثلاً چینی، منگولی، سنسکرت، آشوری یعنی قدیم شامی زبان، عربی، فارسی وغیرہ میں کتابیں موجود تھیں۔ رصدگاہ کے علماء ان سے برابر استفادہ کرتے تھے۔[۱۱]

۹۔ شبلی نعمانی: المامون۔ ط آگرہ۔ مفید عام پریس، ۱۳۰۵ھ حصہ دوم: ص ۴۴ — ۴۸۔

۱۰۔ احمد خان: اسلامی اندلس میں کتب خانے اور شائقین کتب۔ اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۷۴ء۔ ص ۱۷۔

۱۱۔ رکن الدین ہمایوں فرخ: کتاب و کتابخانہ ہای شاہی ایران۔ ط تہران۔ وزارت فرہنگ و ہنر، ۱۳۴۷ شمسی جلد ۲ ص ۸۵۔

بعض کتب خانے ایک ہی کتاب کے کئی کئی اور عمدہ سے عمدہ نسخے رکھنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کتاب کا جو نسخہ انھیں مل جاتا رکھ لیتے۔ بلکہ اس نسخے میں کوئی نہ کوئی ندرت ضرور ہوتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک نیا علم کتب خانہ اس وقت ترقی پذیر مراحل میں تھا کہ کتب خانے میں مکمل، صحیح ترین اور عمدہ لکھا ہوا نسخہ محفوظ کیا جائے۔ چنانچہ اہم کتابوں کی جو مختلف نقول ملتی رہیں، ان کے نسخے محفوظ کرنے میں نہایت درجہ اہتمام اور حذقِ علم سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ عین اسی طرح تھا جس طرح آج کل ہر کتبخانے میں ایک کتاب کے بعد اس کا دوسرا محقق نسخہ بھی رکھ لیا جاتا ہے۔ مصر کے خلیفہ العزیز باللہ (متوفی ۳۸۶ھ ۹۹۶ء) کا کتب خانہ اس کی ایک مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس میں خلیل بن احمد فراہیدی کی کتاب العین کے تیس سے زاید نسخے تھے کہتے ہیں ان میں ایک نسخہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا بھی تھا۔ اسی طرح تاریخ طبری کے بیس سے زیادہ نسخے تھے[۱۲] اسی طرح اندلس میں بہت سے کتب خانے تھے جن میں کئی کتابوں کے دسویں نسخے محفوظ ہوتے تھے۔

کتابوں کی حفاظت کا مسئلہ بہت اہم سمجھا جاتا تھا۔ جن حضرات نے اپنی متاعِ حیات کے قیمتی لمحات میں کوئی کتب خانہ جمع کیا ہوتا وہ اس کو اپنی جان سے عزیز رکھتا تھا۔ اسے محفوظ کرنے میں پوری کوشش کرتا۔ ایسے لوگ جو اپنے کتب خانے کی حفاظت نہیں کر پاتے تھے وہ اسے دوسرے لوگوں کے ہاں یا بڑے بڑے کتب خانوں میں ہدیتہً دے جاتے تھے۔ یوں اپنی کتابیں دوسروں کے ہاں محفوظ کرنے کی بے شمار مثالیں ہیں۔ کتابوں کو دیمک اور دوسرے کیڑوں سے بچانے کے لیے مختلف قسم کی زہریلی دوائیں استعمال کرنے کا فن بھی پیدا ہو چکا تھا۔ کتابوں میں نیم کے درخت کے پتے رکھنا۔ یا کتابوں کو زہریلا دھواں دینا تو ایک عام بات تھی۔

مسلمانوں نے کتب خانے کی عمارت کو اچھے سے اچھا، مناسب حالات، عوام کے لیے اس میں سہولتوں اور دیگر اہم ضرورتوں کے لیے عمدہ بنانے کی پوری سعی کی ہے۔ اگرچہ ابتدا میں کتب خانے گھروں میں قائم ہوئے پھر مساجد میں رواج ہو گیا۔ مگر ایسے بے شمار کتب خانے ہیں جن کے لیے خصوصی عمارتیں بنائی گئیں۔ شیراز میں عضد الدولہ کے کتب خانے کی عمارت اور الماریوں کی جسے المقدسی نے دیکھا ہے۔ تفصیل یوں بتائی ہے:

"خزانة الكتب حجرة على حدة . . . . هى ازج طويل فى صفة كبيرة فيه خزائن من كل وجه وقد ألصق الى جميع حيطان الازج والخزائن بيوتا

---

(۱۲) المقریزی: الخطط۔ ط القاہرۃ، ۱۲۷۰ھ ج ۱ ص ۴۰۸۔

طولها قامة في عرض ثلاثة اذرع من الخشب المنقوش عليها أبواب تنحدر من فوق وارفاتها منضدة على الرفوف ولكل نوع بيوت [١٣]

کتب خانہ کی عمارت کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ کمروں میں دیواروں کے ساتھ کتابوں کی الماریاں لگی ہیں۔ ان خوب صورت چوبی الماریوں کی لمبائی قد آدم کے برابر اور چوڑائی تین ہاتھ کے برابر ہے اور ان کو اوپر سے بند کیا جاتا ہے۔ کتابیں شیلفوں پر پڑی ہیں اور ہر مضمون کے لیے الگ الگ کمرے ہیں۔

اس ضمن میں اندلس کے خاندان فطیس کا کتب خانہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی عمارت بناوٹ اور سجاوٹ کے اعتبار سے بہت عمدہ تھی۔ اس کے تمام دروازے، کھڑکیاں حتیٰ کہ چھتیں سبز رنگ میں تھیں۔ اسی طرح فرنیچر، فرش، پردے، سب سبز رنگ میں رنگے ہوتے تھے تاکہ دیکھنے والوں کی نظر پر اچھا تاثر قائم ہو۔ [١٤]
مسلمانوں نے کتب خانے کی عمارت کے لیے خاص اہتمام کیا ہے۔ فاطمین مصر کے کتب خانے کی عمارت ظاہری حسن و جمال کا ایک نمونہ تھی۔ المقریزی اس کی تفصیل یوں بیان کرتا ہے۔

ان دار الحكمة بالقاهرة لم تفتح ابوابها للجماهير الا بعد ان فرشت و زخرفت وعلقت على جميع ابوابها وممراتها الستور وأقيم قوام وخدام وفراشون وغيرهم رسموا بخدمتها۔ وكان البناء المخصص للمكتبة والفاطميين عظيما جدا۔ اذ كانت عمدة الخزائن التي برسم الكتب في سائر العلوم اربعين خزانة تتسع الواحدة منها الآن۔ يوضع بها ثمانية عشر ألف كتاب [١٥]

قاہرہ میں دار الحکمت کے دروازے عوام کے لیے اس وقت تک نہیں کھلتے تھے جب تک کہ اس کی تمام گزرگاہوں میں فرش بچھانے کا کام اور تمام دروازوں پر پردے لگانے کا کام نہ ہو جاتا، اور یہ کہ کارندے، خدام اور فراش اپنی اپنی جگہوں پر متعین نہ ہو جاتے۔ فاطمیین کے اس کتب خانے

١٣۔ المقدسی: احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، ط بریل، ١٩٠٦ء۔ ص ٤٤٩

١٤۔ النباہی: تاریخ قضاۃ الاندلس، القاہرہ، دار الکاتب المصری، ١٩٤٨ء، ص ٨٨

١٥ المقریزی: خطط المقریزی ۔ ج ١ ص ٤٠٨، ٤٥٨

کی عمارت کافی بڑی تھی۔ یہ کتب خانہ چالیس کمروں پر مشتمل تھا جن میں سے ہر ایک میں اٹھارہ ہزار کتابیں سما سکتی تھیں۔

کتب خانے کی الماریوں میں کتابیں ایک دوسرے پر چوڑے انداز سے رکھنے کا رواج تھا۔ اس طرح رکھنے میں غالباً سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ کتاب کی جلد خراب ہونے اور اوراق میں گرد وغیرہ پڑنے سے کتاب بچ جاتی تھی۔ اس طرح کتابیں نکالنے میں کسی قسم کی دقت بھی محسوس نہ ہوتی تھی۔ کیونکہ کتابوں کا وہ حصہ جو سامنے ہوتا اس پر اس کتاب کا عنوان، دیگر نشان تصنیف وغیرہ لکھ دیا جاتا تھا[۱۶]

کتابوں کو سلیقے اور بہت عمدہ طریقے سے رکھنے کی فکر میں کافی ترقی ہو چکی تھی۔ اس بات سے اندازہ لگائیے کہ الماری میں پہلا درجہ اس کتاب کو حاصل ہوتا جس میں قرآن یا حدیث کو زیادہ زیر بحث لایا گیا ہوتا اور اگر اس امر میں برابر ہوتیں تو پھر مصنف کو علو جلالت کے اعتبار سے۔ اگر اس میں بھی برابر ہوتیں تو کتابت میں قدیم تر کتاب پہلے رکھی جاتی اور ساتھ ہی یہ خیال بھی رکھا جاتا کہ کونسی کتاب قارئین اور طالبان علم کے زیر مطالعہ زیادہ رہتی ہے اور اگر اس معاملہ میں بھی برابر ہوتیں تو پہلا درجہ اس کتاب کو حاصل ہوتا جو صحت کے اعتبار سے دونوں میں عمدہ ہوتی[۱۷]

اس انداز ترتیب کو ممکن ہے ہر کتب خانے میں استعمال نہ کیا گیا ہو۔ تاہم اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کتاب کو الماری میں مرتب کرنے کی طرف دھیان دیتے ہوئے کس قدر باریکیوں کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اس قدر باریک بینی اس علم میں ترقی کی ایک بین دلیل ہے۔

(۴)

کتب خانے میں کتابوں کو عمدہ طریقے سے مرتب کرنے اور رکھنے میں مسلمانوں نے بہت دلچسپی سے کام لیا ہے۔ تقسیم علوم میں کئی کتابیں لکھی گئیں۔ یہی تقسیم علوم کتب خانے میں کتابوں کی تصنیف یعنی کلاسی فیکیشن کی بنیاد

---

[۱۶] - احمد شلبی: تاریخ التربیة الاسلامیة ۔ القاهرة ، دار الکشاف ۱۹۵۴م - ص ۱۳۰ - ۱۳۱ -

[۱۷] بدر الدین ابن جماعة ۔ تذکرة السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم ط حیدر آباد دکن، ۱۳۵۳م - ص ۱۷۱،

ہے۔ اس میدان میں ابو النصر الفارابی (۲۶۰ھ۔۳۳۹ھ) کو سب سے اولین درجہ حاصل ہے جس نے احصاء العلوم لکھ کر مسلمانوں کے ہاں باقاعدہ تقسیم علوم کی ابتدا کی۔ الفارابی نے اس کتاب میں تمام متداول علوم کو پانچ فصول پر تقسیم کیا ہے اور پھر ان فصول میں مختلف علوم کی تعریفات بیان کی ہیں۔ اس کی بنیاد پر بعد کے آنے والے بہت سے علماء نے اس میدان میں قابل قدر اضافے کیے۔ حتیٰ کہ اس کتاب نے تقسیم علوم میں یورپ پر بھی خاطر خواہ اثر ڈالا ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل حضرات کو اس میدان میں خاص اہمیت حاصل ہے:

۱۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن یوسف الخوارزمی (متوفی ۳۸۷ھ/۹۹۷ء) نے مفاتیح العلوم لکھی۔ اور فارابی سے زیادہ علوم کا ذکر کیا۔

۲۔ ابن سینا (متوفی ۴۲۸ھ/۱۰۳۷ء) کی کتاب الشفاء اس موضوع میں ایک اچھی کوشش ہے اسی طرح انہی صاحب کا ایک رسالہ اقسام العلوم العقلیۃ بھی ہے۔

۳۔ شمس الدین محمد بن ابراہیم بن ساعد الاکفانی (متوفی ۷۴۹ھ/۱۳۴۸ء) نے متقدمین کے کام میں بہت سا اضافہ کیا اور بہت سے نئے علوم کو اپنی کتاب ارشاد القاصد الی اسنی المقاصد میں جمع و مرتب کیا۔ یہ تالیف اس ضمن میں بہت اہم ہے۔

۴۔ ابن خلدون (متوفی ۷۸۴ھ/۱۳۸۲ء) نے اپنی معروف کتاب کے مقدمے میں علوم اور ان کی انواع کے بارے میں بتایا ہے۔

۵۔ اس میدان میں سب سے زیادہ مکمل کتاب مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ از طاشکبری زادہ (۹۶۸ھ/۱۵۶۰ء) کہی جا سکتی ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے علوم، ان کی مختلف اقسام، ان میدانوں میں مشہور مشہور علماء اور ان کی تصانیف کا ذکر بھی کیا ہے۔

۶۔ اس کتاب کے ایک صدی بعد حاجی خلیفہ (متوفی ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء) نے کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون لکھی مگر پہلے علم پر کوئی خاطر خواہ اضافہ نہ کر سکے۔ بلکہ مفتاح السعادہ کی تتبع واضح نظر آتی ہے ہاں البتہ انھوں نے کتابوں کا ذکر طاشکبری زادہ کی نسبت زیادہ کیا ہے۔

۷۔ علوم کی تقسیم کا ذکر ہو تو نواب صدیق الحسن خان (۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) کا ذکر ضروری ہے انھوں نے ابجد العلوم میں کوئی قابل قدر کام تو نہیں کیا ہاں البتہ متقدمین کی تقسیم علوم کا خلاصہ کیا ہے۔

مندرجہ بالا ایسی کتابیں تھیں جن میں علوم کے ساتھ ان علوم میں ان کتابوں کا ذکر بھی تھا۔ ایسے مفکرین بھی گذرے ہیں جنہوں نے صرف تقسیم علوم اور ان علوم کی مختصر توصیف (Description) بیان کی ہیں، مثلاً:-

۱۔ امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ/ ۱۲۱۰ء) نے حدائق الانوار فی حقائق الاسرار میں مختلف ساٹھ علوم کی توصیف بیان کی ہے۔

۲۔ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی نے "النموذج" کے عنوان سے اس میدان میں کتاب لکھی ہے جس میں علوم کے دس بڑے بڑے گروپ بنائے ہیں۔

۳۔ شیخ عبدالرحمان بن محمد البسطامی (۸۵۸ھ/ ۱۴۵۴ء) نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں علوم شرعیہ اور زبان عربی کے مختلف کوئی ایک سو علوم کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ شیخ لطف اللہ بن حسن التوقاتی (۹۰۴ھ/ ۱۴۹۸ء) نے ایک کتاب تحریر کی جس میں کئی علوم کو جمع کیا۔ پھر ان کی تشریح کی۔ اس کتاب کا عنوان المطالب الالٰھیۃ ہے اس کتاب کی تالیف کے ذریعے مصنف نے عثمانی خلیفہ بایزید الثانی (خلافت ۸۸۶ھ-۹۱۸ھ) کے کتب خانے میں تصنیف کے سلسلے میں مدد دی ہے۔

۵۔ اسی طرح ان کے معاصر جلال الدین السیوطی (۸۴۹ھ-۹۱۱ھ) نے اسی موضوع میں کتاب النقایۃ واتمام الدرایۃ لکھی۔

۶۔ محمد امین بن صدرالدین الشروانی نے الفوائد الخاقانیۃ تقسیم علوم کے سلسلے میں لکھی اور عثمانی خلیفہ احمد الاول کو پیش کی۔

اس فن کو عملی صورت میں لانے یعنی کتب خانوں میں استعمال کرنے اور کتابوں کو علوم کے مطابق منظم کرنے کا رواج شروع ہی سے ہو چکا تھا۔ کتابوں کی تصنیف میں اس امر کا پورا خیال رکھا جاتا تھا کہ ایک ایک فن کی کتابیں الگ الگ رکھی جائیں۔ خلیفۃ المستنصر نے جمادی الاخریٰ ۶۳۱ھ میں شیخ عبدالعزیز بن دلف اور ان کے بیٹے ضیاء الدین احمد کو مدرسہ مستنصریہ میں کتابوں کا جائزہ لینے اور ان کو مرتب کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے کتابوں کو تفصیل کے ساتھ فنون کے اعتبار سے ایسی نہایت اچھی ترتیب دی کہ کتابوں کو کتبخانے میں تلاش کرنے اور

زمانے میں کسی قسم کی وقعت نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ شعبان ۶۴۰ھ میں خلیفہ المستنصر نے مدرسہ مستنصریہ کا معائنہ کیا۔ اس کے ہمراہ شیخ شمس الدین علی بن النیار بھی تھے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے مدرسہ کے کتب خانے کا بنظر غائر جائزہ لیا۔ دیکھا کہ کتابیں غیر مرتب شکل میں پڑی ہیں۔ یہ صاحب سخت نالاں ہوئے اور تنبیہہً کتب خانہ کے عملا کو دودو تھپڑ رسید کئے[۱۹] اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم حکام کو کتب خانوں میں ترتیب کتب سے کس قدر دلچسپی تھی۔

کتب خانے میں مضامین کے لیے الگ الگ کمرے مختص تھے۔ ابن سینا نے نوح بن منصور سامانی (حکومت ۳۶۶ھ — ۳۸۷ھ) کے کتب خانہ میں کام کیا ہے، وہ اپنی سرگزشت میں اس کی تفصیل بتلاتے ہیں:

فیہ بیوت کثیرۃ وفی کل بیت صنادیق، کتب منضدۃ بعضہا علی بعض فنی بیت منہا کتب العربیۃ والشعر وفی اخر الفقہ۔ وکذالک فی کل بیت کتب علم مفرد[۲۰]

اس کتب خانے کے کئی کمرے ہیں، ہر کمرے میں کئی کئی صندوق پڑے ہیں۔ جن میں ایک دوسرے پر کتابیں رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک کمرے میں عربی ادب و شعر سے متعلق کتابیں ہیں۔ دوسرے میں فقہ کی۔ اسی طرح ہر کمرے میں الگ الگ علوم سے متعلق کتابیں ہیں۔

المقدسی (۳۳۶ھ — ۳۷۵ھ) نے شیراز میں عضد الدولہ کا کتب خانہ دیکھا ہے۔ اس کی شاندار عمارت کی تفصیل یوں بتاتا ہے کہ کتابیں شیلفوں پر رکھی ہیں اور ہر فن (نوع) کے لیے الگ الگ کمرے ہیں۔ فہرستیں بھی ہوتی ہیں جن میں کتابوں کے عنوانات درج ہیں[۲۱] فاطمی خلفاء نے کتابوں کو مضامین وار تقسیم کرکے ان کے لیے الگ الگ کمرے بنا رکھے تھے۔ انہی کمروں میں مضامین سے متعلق الگ الگ فہرستیں بنا رکھی تھیں۔ ابن عماد (ابتدائے حکومت ۵۰۲ھ) کا کتب خانہ اسی طرح ہر مضمون کے لیے الگ کمرہ رکھتا تھا

---

۱۹ ابن الفوطی: الحوادث الجامعۃ والتجارب النافعۃ فی المائۃ السابعۃ۔ بغداد، المکتبۃ العربیۃ، ۱۳۵۱ھ۔ ص ۱۵۴

۲۰ البقا و ص ۱۴۱؛ سعید النفیسی (محقق): سرگزشت ابن سینا۔ تہران: ۱۳۳۱ شمسی ص ۱۴

۲۱۔ المقدسی، محولہ بالا۔ ص ۴۴۹

جب صلیبی جنگجو طرابلس الشام کی فتح کے بعد اس میں داخل ہوئے تو اس کتب خانے میں گئے۔ سب سے پہلے جس کمرے میں انہوں نے قدم رکھا اس میں تمام تر قرآن مجید رکھے ہوئے تھے۔ ایک کے بعد دوسرا نسخہ نکالنے پر انہوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا کہ اس کتب خانے میں سارے قرآن کریم ہی رکھے ہیں۔ چنانچہ سارے کتب خانے کو جلانے کا حکم دے دیا[۲۲]۔ اسی طرح ہر کتب خانے میں کتابیں مضامین وار تقسیم ہوتی تھیں اور انہی مضامین کے مطابق فہرستیں مرتب ہوتی تھیں۔

(۵)

مسلمانوں کے کتب خانوں میں فہارس کا انداز الگ کارڈ کی شکل میں جس طرح آج کل ہے، نہیں ملتا بلکہ ابتداء میں فہارس ایک رجسٹر کی شکل میں ہوتی تھیں اور وہ اس طرح کہ ہر فن کی فہرست الگ ہوتی تھی۔ اسے ہم (Subject catalogre) کا نام دے سکتے ہیں۔ یوں انداز رجسٹر کے کئی وجوہ ہو سکتے ہیں، مثلاً:

۱۔ ایک ہی فن کی کتابیں تعداد کے حساب سے کوئی زیادہ نہیں ہوتی تھیں۔ انھیں اسی فن کے تحت آسانی سے تلاش کیا جا سکتا تھا۔ اس میں وہیں اضافہ بھی کیا جا سکتا تھا۔

۲۔ اس کتب خانے کا پورا اسٹاک ایک جگہ مل جاتا تھا اور قاری کو کتب خانے کی ہر کتاب کا علم ہو جاتا تھا۔

۳۔ اس فہرست کا استعمال کرنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا اور ضرورت کے وقت اس میں تبدیلیاں کی جا سکتی تھیں۔ کتب خانے کی فہرست قابل انتقال اور تصحیح ہی تھی تو مامون الرشید نے بیت الحکمۃ کی فہرست منگوا کر دیکھی تھی اور اس میں ایک جگہ غلطی درست کی تھی[۲۳]۔

کتب خانے کے کیٹلاگ یعنی فہرست عناوین کتب اور مصنفین کے اسماء کے تحت یعنی دونوں انداز سے بنانے کا پتہ چلتا ہے ایک ایسا دور بھی آیا کہ فہرستیں ایسی بھی بنتی تھیں کہ انھیں سٹاک سے بہت زیادہ مطابقت دینے کے لیے تقسیم شدہ مضامین کی کتابوں کے بالکل قریب رکھنے کا رجحان بڑھ گیا تھا۔ چنانچہ فاطمین مصر کے کتب خانے کی فہرست یوں مرتب تھی کہ ہر فن کے کمرے کے دروازے پر اس فن کی تمام کتابوں کا اندراج ہوتا تھا[۲۴]۔

فہرست سازی کے اس فن کو ترقی دینے اور اعلیٰ صورت میں پہنچانے میں جن علماء نے حصہ لیا ہے،

---

[۲۲] احمد خان: ہمارے علمی ورثے کی بربادی۔ ماہنامہ فکر و نظر (اسلام آباد) ج ۱۰ ص ۱۶/۷ (جون ۱۹۷۳ء)

[۲۳] محمد کرد علی: رسائل البلغاء۔ القاہرہ ۱۹۴۶ء۔ ص ۴۷۹ — ۴۸۰

[۲۴] المقریزی: محولہ بالا۔ ص ۴۰۹

وہ بے شمار ہیں، اس ضمن میں ان تمام حضرات کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے جنہوں نے علوم و فنون کی تقسیم میں کتابیں لکھیں اور ساتھ ہی ان مضامین میں تالیفات کو گنوا دیا ہے مگر اس وقت ہم صرف ایسی فہرستوں پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں جو صرف کسی کتب خانے میں داخل شدہ کتابوں پر مشتمل تھیں تاکہ اس سلسلے میں کی گئی کوششوں کا پتہ چل سکے۔

۱۔ جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ المامون نے اپنے کتب خانے کی فہرست منگوا کر دیکھی تھی اور اس میں غلطی بھی نکالی تھی۔ علاوہ بریں ابن الندیم نے بھی اپنی کتاب الفہرست میں مامون کے کتب خانے کی اس فہرست کا ذکر کیا ہے۔

۲۔ ابن سینا (۳۷۰ھ ـــ ۴۲۸ھ) نے اپنی سرگزشت میں نوح بن منصور سامانی کے کتب خانے کا ذکر کیا ہے اس کی فہرست کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فطالعت فہرست کتب الاوائل وطلبت ما احتجت الیہ[۲۵]

میں نے پہلے لوگوں کی کتابوں پر مشتمل فہرست کو دیکھا اور جس کتاب کی ضرورت محسوس کی وہ طلب بھی کی۔

۳۔ یاقوت حموی، ابوالحسن بیہقی کی سوانح میں بتلاتے ہیں کہ ابوالحسن نے ری میں کتب خانہ دیکھا تھا جس کی تفصیل یوں دی ہے:

بیت الکتب الذی بالری دلیل علی ذلک ما احترقہ السلطان محمود بن سبکتگین (سنہ ۴۲۰ھ) فانی طالعت ھذا البیت فوجدت فہرسہ تلک الکتاب عشر مجلدات ۔[۲۶]

ری میں موجود کتب خانے کے اس حصہ پر نشانات اب بھی نظر آتے ہیں جو سلطان محمود بن سبکتگین نے جلایا تھا۔ میں نے اس کتب خانے میں مطالعہ کیا ہے اس کی فہرست دس جلدوں پر مشتمل ہے یہ کتب خانہ دراصل صاحب ابن عباد (۳۲۶ھ ـــ ۳۸۵ھ) کا مشہور و معروف کتب خانہ تھا۔

۲۵۔ سعید النفیسی: سرگزشت ابن سینا۔ ص ۴۔

۲۶۔ یاقوت حموی: معجم الادباء۔ القاہرۃ، مطبعۃ عیسی البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ۔ ج ۱، ص ۲۵۹۔

۴۔ علی بن طاؤس حلی (۵۸۹ھ ۔ ۶۶۴ھ) نے اپنے کتب خانے کی فہرست سعد السعود کے عنوان سے بنائی تھی۔ اس سے قبل انہوں نے اپنے کتب خانے کے لیے ایک اور فہرست بنائی تھی جس کا عنوان تھا کتاب الابانۃ فی معرفۃ اسماء کتب الخزانۃ۔ فہرست نگار کتابخانۂ آستانۂ قدس رضوی اس اول الذکر فہرست کے بارے میں فرماتے ہیں کہ فہرست سازی کے فن کے اعتبار سے یہ اولین فہرست ہے جس میں ابن طاؤس نے کتابوں کی مکمل معلومات دی ہیں اس کے بعد فہرست نگاران صاحب کے خوشہ چین نظر آتے ہیں [۲۷]

منجملہ کئی فہرستوں کے جو کتب خانوں کے لیے بنائی گئیں اور جو باقاعدہ طور پر استعمال ہوتی تھیں اندلس کے الحکم ثانی کے کتب خانے کی فہرست اپنی ضخامت کے اعتبار سے بہت بڑی سمجھی جاتی ہے۔

فہرست کے مندرجات میں کیا کیا تبدیلیاں آئیں، اس امر کا فیصلہ اس وقت ذرا مشکل ہے کیونکہ معلومات تھوڑی ہیں۔ ہاں البتہ اچھی بری، کام چلانے والی یا کام دینے کی صلاحیت کے اعتبار سے ان فہارس کو پرکھا جا سکتا ہے جیسے النظامیہ کے کتب کی ایک نہایت عمدہ فہرست مرتب کی گئی تھی جسے ابن الجوزی (۵۱۰ھ ۔ ۵۹۷ھ) نے خود دیکھا تھا[۲۸] اس فہرست میں عمدگی کا عنصر غالب ہے۔ فہرست کے اندراجات کا کچھ اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ المستنصریہ کا کتب خانہ قائم ہوا تو خلیفۂ وقت نے ذاتی کتب خانہ کے مہتمم ضیاء الدین احمد اور شیخ عبد العزیز بن دلف کو یہ کام سپرد کیا کہ مدرسہ کے کتب خانہ کی کتابوں کو جانچیں۔ یعنی (Classify) کریں۔ فہرست ایسی بنائیں جو مضمون وار ہو۔ اور پھر اس کی مدد سے کتابیں نکالنا آسان ہو[۲۹]۔ اس فہرست میں افادیت کا پہلو منظر آتا ہے۔ استعمال میں آسانی اور ہر ایک تک فہرست کی رسائی کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

(۶)

کتب خانے کا عملہ پڑھا لکھا ہونا ایک عام بات تھی۔ چنانچہ بڑے بڑے علماء اس منصب پر فائز ہوتے تھے۔ نصیر الدین طوسی (۵۹۷ھ ۔ ۶۷۲ھ) صاحب علم و فضیلت ایک لمبے عرصہ تک مراغہ کی رصدگاہ کے

۲۷۔ محمد تقی دانش پژوہ: فہرست کتابخانۂ دانش گاہ تہران۔ تہران، چاپخانۂ دانشگاہ ۱۳۳۲ شمسی۔ ج ۳ ص بیت وسہ۔ فہرست کتاب خانۂ آستانۂ رضوی، مشہد، چاپخانۂ طوس، ۱۳۲۵ شمسی، ج ۴ ص یلو

۲۸۔ ابن الجوزی۔ صید الخاطر۔ القاہرہ، ۱۹۲۴ء، ص ۳۶۷ ۔ ۳۶۸۔

۲۹۔ ابن الفوطی: الحوادث الجامعہ۔ ص ۵۴

مہتمم اعلیٰ رہے۔ انہی کے تحت رصدگاہ کا کتب خانہ تھا۔ ان کے زیر سایہ ابن الفوطی (۶۴۲ھ — ۷۲۳ھ) نے کئی علوم میں اہلیت و قابلیت پیدا کرنے کے علاوہ علوم کتب خانہ بھی حاصل کئے۔ پھر یہ صاحب المستنصریہ میں مدت العمر تک لائبریرین رہے۔ ابن الفوطی بہت بڑے عالم تھے اور کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ عملے میں جو مختلف لوگ مثلاً داروغہ، مہتمم کتب خانہ، جدول ساز، ناظم، مناول، مشرف، ناظر، وراق، مترجم، کاتب، مذہب، نقاش اور مجلد شامل تھے۔ اپنے فن میں ماہر ہوتے تھے۔ ان فنون کی تربیت وراقین کی دکانوں پر باقاعدہ طور پر دی جاتی تھی۔ ہر شخص اپنے فن میں کاملیت حاصل کرنے میں دوسروں سے سبقت لے جانا چاہتا تھا۔

کتب خانہ کو چلانے میں بڑے بڑے علماء و صاحب فن خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ مشہور عالم ابن مسکویہ (متوفی ۴۲۱ھ) نے عرصہ تک عضد الدولہ کے کتب خانے کے مہتمم کی حیثیت سے کام کیا ہے۔ نصیر الدین طوسی مراغہ میں آنے سے قبل حسن بن صباح کے کتب خانے واقع القلعہ میں بحیثیت ناظم کام کرتے رہے۔ خطیب التبریزی نے مدرسہ نظامیہ میں نہ صرف درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا بلکہ اس مدرسہ کے کتب خانہ میں نگران اعلیٰ بھی رہے۔ مسعود سعد سلمان (متوفی ۵۱۵ھ)، پاک و ہند کے معروف فارسی شاعر حاکم وقت مسعود بن ابراہیم غزنوی کے کتب خانے میں خازن مقرر ہوئے تو انھوں نے فرمایا۔

دار الکتب امروز بہ بندہ است مفوض
این عز و شرف گشت مرا رتبہ والا
پس زود چو آراستہ گنجی کنمش من
کار تازہ مثالی بود از مجلس اعلیٰ [7]

(۷)

ان کتب خانوں میں جن اساتذہ کی خدمات ہوتی تھیں ان سے بھی علم کتب خانہ پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ مسلمانوں کے کتب خانے مطالعہ کی ضروریات پوری کرنے کے علاوہ دور دراز کے [illegible] آگے بڑھتے علماء کی علمی پیاس بھی بجھاتے تھے۔ غزنی کے شاہی کتب خانہ میں [illegible] کی متبرک کتاب جلیلہ دیکھنے اور نقل کرنے

---

[7] رکن الدین ہمایوں فرخ: محولہ بالا - ص ۱۹۔

کے لیے انگلستان کے عیسائی علماء آئے اور انہوں نے یہاں بیٹھ کر اسے نقل کیا[۳۱]۔ ابو معشر المنجم (متوفی ۲۷۲ھ/۸۸۶ء) نے حج کی غرض سے جزیرۃ العرب کا رخ کیا۔ راستے میں اس نے نواحی قفص کے مقام کُرکُر پر علی بن یحییٰ المنجم کے کتب خانہ کی شہرت سنی تو وہاں پہنچ کر مطالعہ میں ایسا غرق ہوا کہ حج کا ارادہ ترک کر دیا[۳۲]۔

وہ علوم جو کتب خانہ کی خدمات کے سلسلے میں ممد و معاون ہوتے ہیں۔ ان میں اختصارات (Abstra cling) اشاریے (Indexing) کتابیات (Bibliographies) اور مختلف قسم کی ڈکشنریاں شامل ہیں حوالہ جاتی امور کے لیے ان چاروں علوم کی واقفیت ضروری ہے۔ ان میدانوں میں مسلمانوں نے بہت کام کیا ہے جو حد و حساب سے باہر ہے۔

(۸)

اب سوال یہ ہے کہ کتب خانے میں کام آنے والے مندرجہ بالا علوم کی تدریس کا کوئی انتظام تھا یا نہیں؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت لائبریری سائنس کا شعبہ منظم تو تھا مگر اس کی باقاعدہ تدریس کے ثبوت شاذ ہی ملتے ہیں، ہاں البتہ کتب خانہ سے متعلق امور میں مہارت کا حصول تو ہر ملازم کتب خانہ کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ اس مہارت میں کمی اس ضمن میں غفلت اور کام چوری پر المستعصم نے ایک مرتبہ ایک کتب خانے کے پورے عملے کو سزائے قید دے دی تھی۔

علمائے وقت جو کتب خانے پر مشرف ہوتے وہ علم کتب خانہ سے جس قدر زیادہ متصف ہوتے کہ عوام کی نگاہ میں عزیز تر اور حکام وقت کے نزدیک اہم ترین شخصیت قرار پاتے۔ فاطمی خلفاء اپنے کتب خانے کے ملازمین میں وراقوں اور جلد سازوں کی ان کے فن میں مہارت کی قدر و منزلت کے اظہار کے لیے ایک خاص مدت کے لیے ایک ہزار دینار دیا کرتے تھے۔ بائسنقر کا اپنے ہاں فنکاروں کے نوازنے کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔

نصیر الدین طوسی کے شاگرد و عزیز ابن الفوطی جنہوں نے مراغہ میں طوسی کی نگرانی میں سولہ سال تک کام کیا بلاشبہ وہ کتب خانہ کے علوم کی تربیت ہی تھی۔ جس کے بعد ابن الفوطی بغداد پہنچتے ہی اپنی علمی مہارت کی بدولت

---

[۳۱] ۔ ماہنامہ رہنمائے کتاب (تہران) سال پنجم شمارہ ۱۱۔۱۲ (بہمن و اسفند ۱۳۴۱ شمسی) ص ۹۹۵۔۹۹۶۔ [۳۲] ۔ یاقوت حموی: محولۂ بالا۔ ج ۵ ص ۴۷۰۔

مستنصریہ میں خازن کتب خانہ مقرر ہوتے باقی لوگوں کے علاوہ مستنصریہ میں طلباء بے قاعدہ انداز سے ابن الفوطی سے کتب خانہ کے علوم سے بھی بہرہ مند ضرور ہوتے تھے۔

علوم کتب خانہ کی تدریس اور ان میں تربیت کا صرف ایک مقام پر پتہ چلتا ہے اسی سے اندازہ کرکے دوسرے مقامات پر اس فن کی تدریس وغیرہ کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ رشید الدین فضل اللہ ہمدانی (۶۴۹ھ۔ ۷۱۸ء) نے ربع رشیدی کو ایک علمی اکیڈمی کی حیثیت دے رکھی تھی اس میں دیگر علوم کی تدریس کے علاوہ اساتذہ کے لیے تربیتی کورس اور کتب خانہ میں کام کرنے والوں کی تدریس اور تربیت کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ [۴۳]

۹

کتب خانہ کے علوم کے ضمن میں مسلمانوں کی خدمات کے سلسلے میں یہ مختصر سا خاکہ بالکل ابتدائی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میدان میں بہت کم تحقیق کی گئی ہے۔ جس طرح ہمارے اسلاف نے اس پر کم لکھا ہے، اسی طرح موجودہ دور کے علماء بھی اس طرف کم توجہ دیتے ہیں۔ علماء کے لیے تحقیق کا میدان کھلا ہے اس میں کام کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ اہل یورپ تمدن عالم کی اس سنہری کڑی کو بھولے ہوتے ہیں یا جان بوجھ کر اس سے اغماض برت رہے ہیں۔ اور لائبریری سائنس سے متعلق جملہ امور کا سہرا اپنے سر باندھ رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کی خدمات اس ضمن میں بہت ہیں۔ مگر بدقسمتی سے ان پر روشنی بہت کم ڈالی گئی ہے۔ اگر کچھ امور پر لکھا گیا ہے تو بھی گوشہ خمول میں ہے اسے ڈھونڈ کر اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

---

[۴۳] محمود خان: کتابخانہ ربع رشیدی۔ مشمولہ نشریہ یادبود خواجہ رشید الدین فضل اللہ ہمدانی۔ شائع کردہ کتابخانہ مرکزی و مرکز اسناد دانشگاہ تہران باہتمام ایرج افشار۔ فروردین ۱۳۴۹، ۵۰ شمسی: ص ۴۳